تیسری قسط

حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

امیر شریعت اور اُن کی اولاد سے محبت:

حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ کو فقط امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ سے ہی محبت نہیں تھی بلکہ آپ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد سے بھی والہانہ محبت کا اظہار اور اُن کے لیے خصوصی دعائیں فرماتے۔ میں اپنے آپ کو انتہائی خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ میں نے امیر شریعتؒ کے علاوہ ان کے بیٹوں کے ساتھ بھی اپنی زندگی کا بڑا حصہ بسر کیا ہے۔ بعض لوگ شکوۃً یہ کہہ دیتے ہیں کہ امیر شریعت کے بیٹوں کے مزاج میں وہ کشش اور جاذبیت نہیں جو کہ امیر شریعت کی شخصیت کا ایک مرکزی جوہر کمال تھا۔ اس کے جواب میں خود بیٹے کہتے ہیں کہ ہمیں امیر شریعت سے نسبت تو ہے لیکن ہم امیر شریعت نہیں۔ نہ ہی ہم امیر شریعت بن سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے میرا بھی یہی سوال ہے کہ اگر امیر شریعت کے بیٹوں میں بھی وہ تمام خصوصیات خصوصاً مزاج کے حوالے سے جو بات کہی جاتی ہے، ہوتیں تو پھر امیر شریعت اور اُن کے بیٹوں کے درمیان کیا فرق رہ جاتا۔ ایسے میں تو امیر شریعت کی ذات کی وہ کشش جس کا تذکرہ زبانِ زد خاص وعام ہے، اُس کی تو نفی ہوجاتی۔ بنیادی سوال تو یہ ہے کہ کیا امیر شریعت کے بیٹوں نے امیر شریعت کے نقشِ قدم پر اپنا قدم نہیں رکھا۔ کیا امیر شریعت کے بیٹوں نے دین کی راہ کو چھوڑ کر دنیا کی راہ اختیار کرلی ہے۔ کیا دین کے لیے جو خلوص اور جو محنت امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ نے کی تھی، اُس خلوص اور اُس ایثار کی جھلک اُن کے بیٹوں میں موجود نہیں ہے۔ جس نصب العین کے لیے امیر شریعت نے اپنی پوری زندگی داؤ پر لگادی تھی کیا وہ نصب العین اُن کے بیٹوں کی نظر سے اوجھل ہوگیا۔ دین کے احیاء اور بقاء کے لیے جو کچھ امیر شریعت نے کیا، کیا اُن کے بیٹوں نے اس سے منہ موڑ کر اپنے لیے دنیاوی عیش و عشرت کے سامان اپنے گردوپیش اکٹھے کر لیے؟ اگر ایسا نہیں جیسا کہ ہرگز نہیں تو پھر یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ امیر شریعت کے بیٹوں پر بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم اُسی طرح ہے جس طرح خود امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ پر تھا۔ وہی سادگی، وہی جذبہ، وہی عزم، وہی استحکام، وہی بہادری، وہی جوش، وہی ولولہ، وہی خودداری، وہی سادگی، وہی محنت، وہی خلوص، وہی ایثار جو ہم امیر شریعت کی زندگی میں دیکھتے ہیں اُن کے بیٹوں میں بھی موجود ہے۔ اس لیے امیر شریعت کی طرح اُن کے بیٹے بھی ہر سلیم الفطرت مسلمان کے لیے انتہائی قابلِ احترام ہیں اور اس سلسلے میں آخری بات یہی ہے کہ امیر شریعت کی طرح امیر شریعت کے بیٹوں پر بھی حضرت رائے پوری کی نگاہِ کرم تھی اور یہ اُن کی دعاؤں کا صدقہ ہے کہ دین کے کام میں امیر شریعت کی اولاد میں کہیں جھول ہمیں نظر نہیں آتی۔ وہ ہمہ وقت دین کے لیے کمربستہ نظر آئے۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل

اقتباس سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔جس میں حضرت رائے پوریؒ نے امیر شریعتؒ کے بیٹوں کے بارے میں کیا کچھ نہیں کہہ دیا:

"مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی سے جو قلبی تعلق تھا وہ کسی سے مخفی نہیں۔ان حضرات کے جیل جانے کے بعد ان کے خاندان اور پسماندہ افراد کی فکر رکھتے اور ان سب کی ذمہ داری محسوس فرماتے۔"

مولانا محمد علی جالندھریؒ لکھتے ہیں:

"مولانا حبیب الرحمٰن منٹگمری جیل میں نظر بند تھے۔ملاقات کی کسی کو اجازت نہ تھی۔میں رائے پور حاضر ہوا۔فرمایا کہ مولانا حبیب الرحمٰن سے ملاقات اگر کسی طرح ہوجائے تو بہت اچھا ہے۔دل ملاقات کو چاہتا ہے۔میں نے عرض کیا:حضرت میں انتظام کروں گا۔اس پر بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا۔فرمایا:ضرور کوئی انتظام کریں۔سخت سردی کا موسم تھا۔میں نے ایک ایم۔ایل۔اے کے ذریعے جو میرا ملاقاتی تھا، وزیرِ جیل منوہر لال سے اجازت لی۔بذریعہ تار ملتان میں اجازت کی اطلاع ملی۔میں نے رائے پور اطلاع دی۔حضرت والا سخت سردی میں منٹگمری تشریف لائے۔میں سٹیشن پر پہلے ہی سے موجود تھا۔ایک دوست کے ہاں قیام کیا۔صبح مولانا حبیب الرحمٰن سے ملاقات ہوئی۔امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے متعلق بڑے بلند کلمات فرماتے تھے۔اور ان سے ان کی وجہ سے ان کے خاندان سے بڑی محبت وشفقت کا برتاؤ کرتے تھے۔ایک مرتبہ فرمایا کہ تم بخاری کو یوں نہ سمجھو کہ صرف لیڈر رہی ہیں۔انھوں نے ابتداء میں بہت ذکر کیا ہے اور فرمایا کہ یقین تو اللہ تعالیٰ نے ایسا نصیب فرمایا ہے کہ باید وشاید۔میاں حالات وکیفیات کیا چیز ہے۔اصل تو یقین ہی ہے۔اللہ تعالیٰ جس کو عطا فرمادے۔مولانا محمد علی جالندھری فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت کے سامنے بخاری صاحب کے لڑکوں کا تذکرہ آیا۔فرمایا کہ شاہ صاحب کے لڑکے ہیں۔میں تو ان کا نوکر ہوں۔یہ محبت اور خصوصیت ان کے اخلاص، خود فراموشی، دینی خدمت میں انہماک؟ جو ان کی ذات اور ان کی ایمان افروز تقریروں عظیم مجموعوں میں پہنچتا تھا اور خصوصیت کے ساتھ پنجاب اور بالخصوص ملتان اور اُس کے نواح میں جو عقائد کی اصلاح ہوئی تھی۔خود شاہ صاحب اپنی تقریروں اور کوششوں کی روح اور اپنی زبان کے اثر اور اس محنت وجفاکشی کے تحمل کا راز ایک مخلص اور مقبول بندہ کے ساتھ تعلق اور اُس کی دعاؤں اور محبت کو سمجھتے تھے اور اس پر ان کو بڑا ناز اور بہت اعتماد تھا۔احرار سے محبت کی وجہ ان کی شانِ قلندرانہ اور جرأتِ رندانہ تھی۔ہر نئے فتنے اور جدید فرقہ کے مقابلے میں یہ سینہ سپر اور سربکف ہوتے۔قادیانیت، رفض وتفضیل اور متعدد ایسی گمراہ کن تحریکیں تھیں جن کے مقابلہ میں یہی سرپھرے میدان میں آتے۔

"کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قدح خوار ہوئے"

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری، علی میاں، صفحہ ۹۳، ۲۹۲)

رِقت وشوق کا غلبہ:

حضرت رائے پوری علیہ الرحمتہ پر رقت وشوق کا غلبہ تھا خصوصاً جس وقت آپ بزرگان دین کے واقعات سنتے یا پھر کوئی آپ کے سامنے شوقیہ یا پھر عشقیہ شعر پڑھتا اکثر اوقات فرمائش کرتے کہ اچھا کلام سناؤ۔ کسی اچھے قاری سے قرآن سننے کا بھی آپ کو ازحد شوق تھا اور جب قاری تلاوتِ قرآن پاک کرتا تو آپ پر عجیب وغریب کیفیت طاری ہوجاتی تھی۔ بے اختیار آنکھوں سے آنسو چھلک چھلک جاتے۔ علی میاں اپنی کتاب سوانح مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کے صفحہ ۲۱۵ پر تحریر کرتے ہیں:

> ''ایک رات تہجد کے وقت دو بجے آپ بیدار ہوئے، چار پائی صحن سے برآمدہ میں لے جاتے تھے۔ قاری حسن شاہ صاحب بھی چار پائی کو اٹھائے ہوئے تھے۔ کسی نے ان کا ویسے ہی نام لیا۔ حضرت نے فرمایا یہ اس وقت کچھ سناتے نہیں۔ قاری صاحب نے پوری محبت اور اخلاص سے قرآن پاک کا ایک رکوع سنایا۔ حضرت پر رقت طاری ہوئی، تمام خانقاہ تلاوتِ کلام سے گونج رہی تھی۔
>
> ایک دن عصر کے وقت قاری عطاء المہیمن بخاری ابن عطاء اللہ شاہ بخاری سے ایک رکوع قرآن پاک کا سماعت فرمایا تو آپ پر کیفیت گریہ کی بہت ہوئی غالباً کچھ حضرت شاہ صاحب کی یاد بھی آئی جس سے کیفیت میں اضافہ ہوا۔''

اسلام اور مسلمانوں کے لیے فکرمندی:

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اسلام اور مسلمانوں کی حالتِ زار کا بڑی شدت کے ساتھ احساس تھا جس کا تذکرہ وہ اکثر اپنی مجلس میں بھی کرتے تھے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ فکرمندی ان کے نظامِ زندگی کی روح رواں بن گئی تھی تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ یہ فکرمندی کبھی تو درد بن کر آہ وفغاں میں تبدیل ہوجاتی اور کبھی تنہائیوں میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بن کے جھلک جھلک جاتی۔ خصوصیت کے ساتھ ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے وقت فسادات کی صورت جو کچھ ہوا اس پر آپ انتہائی بے قرار اور مضطرب رہتے تھے اور کہتے تھے کہ جس سرزمین کو ہمارے صوفیاء کرام نے اپنے خون سینچا تھا۔ اسے ہمارے مسلمان چھوڑنے پر مجبور ہوگئے ہیں اور کہتے کہ اس ساری صورت حال میں مجھے تو اسلام اور مسلمانوں کا زوال نظر آرہا ہے۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے کسی خادم سے یہ فرمایا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ میں تنہائی میں عبادت میں مصروف رہتا ہوں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بعض اوقات پورا وقت مسلمانوں کے فکرورنج اور قلق میں گزر جاتا ہے۔

سیاسی مسلک:

حضرت رائے پوری کے سیاسی مسلک میں جذبۂ جہاد اور انگریز دشمنی بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ اپنے پیرومرشد شاہ عبدالرحیم رائے پوری اور شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہما اللہ کو اپنا پیشوا تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا تعلق اور آپ کا رابطہ انھیں جماعتوں کے ساتھ رہا جو ملک کی آزادی کے لیے انگریزوں کے خلاف برسرِ

پیکار رہیں۔ آپ کے سیاسی مسلک کے مطابق ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے بقا اور ارتقاء کا راز اس میں بات میں مضمر تھا کہ مسلمان ہندوستان کے صوفیاء کرام (جن میں خاص طور پر خواجہ معین الدین اجمیری کا نام زیادہ نمایاں ہے) کی تقلید میں ہندوستان کی قدیم آبادی کے ساتھ محبت اور اخلاقی طاقت سے ان کے دل جیت لینے کی کوشش کو اپنا مقصدِ حیات بنالیں اور یہ بات اسی وقت ہی ممکن تھی جب ہندوستان تقسیم نہ ہو بلکہ متحد رہے۔ آپ کے نزدیک ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لیے مقبولیت کا وہی راستہ درست راستہ تھا جو ساتویں صدی کے اندر صوفیاء کرام نے اختیار کیا اور اپنی روحانی اور اخلاقی طاقت کے ذریعے لاکھوں غیر مسلم کو دائرۂ اسلام میں لے آنے میں کامیاب ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ ہر اس بات کے خلاف تھے جو ہندوستان میں ہندو مسلم اختلاف کو ہوا دینے کا باعث بنے۔ شاید اسی لیے آپ کے دل میں مولانا حسین احمد مدنی کی محبت' عشق کی حد تک موجود تھی وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بھی دل و جان سے قائل تھے اور تقسیم ہند کو مسلمانوں کے لیے مضر اور دین اسلام کی اشاعت اور ترقی کے لیے نقصان دہ خیال کرتے تھے۔ آپ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری دونوں کے پیر و مرشد تھے اور ان کے لیے خصوصی توجہ اس لیے تھی کہ وہ مجلس احرار اسلام کی قیادت کررہے تے جو ہندوستان کے اندر انگریز دشمنی کا استعارہ بن چکی تھی۔ تقسیم ہند کے بعد ایک مرتبہ آپ نے لاہور میں ایک مجلس میں تقسیم ہند پر تبصرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

> ''ہمیں تو پہلے ہی معلوم تھا کہ تقسیم مسلمانوں کے لیے سراسر مضر ہے میرا تو یہ ملک دیکھا ہوا ہے جس کا تمام نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا ہمارے قائد بے چارے صرف جغرافیائی حیثیت سے ہی کچھ معلومات رکھتے تھے، ملک کا دورہ نہیں کیا تھا، ان کو کیا معلوم کہ تقسیم کس طرح صحیح ہوگی، نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ جب دو بھائی مشترکہ چیز کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں تو ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ نزاع ہی رہتا ہے کہ ہماری یہ چیز وہ لے گیا اور دوسرا سمجھتا ہے کہ یہ ہماری چیز وہ لے گیا۔ چنانچہ اب کشمیر کے متعلق بھی یہی نزاع ہو رہا ہے۔''

یہ بات لاہور میں ۸/جنوری ۱۹۵۸ء کی ہے اسی دور میں آپ نے ایک دوسری مجلس میں یوں ارشاد فرمایا:

> ''انگریز' مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں۔ انھوں نے قصداً تقسیم میں مسلمانوں کو نقصان پہنچایا لیکن ہمارے مسلمان ایسے سیدھے ہیں کہ اسی انگریز سے جو دشمن ہے تقسیم کرائی۔''

عجز و انکساری:

حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں جو لوگ ان کے قریب رہے ہیں یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ عجز وانکساری اور بے نفسی و بے غرضی کے میدان میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ ''میں'' نام کی کوئی چیز ان کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ اپنے پیر و مرشد حضرت عبدالرحیم کی طرح اس میدان میں ان کے نقش قدم پہ تھے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اپنے روحانی مقام و مرتبہ کا احساس تک نہ تھا۔ مجلس کے اندر آپ نے کبھی کوئی ایسی بات کبھی نہیں فرمائی تھی جس کے سننے کے بعد لوگوں کے دلوں میں ان کی عقیدت میں اضافہ ہو، ہر بات اور ہر معاملے میں آپ اپنی نفی اور اپنی انکساری کا ہی

اظہار فرماتے تھے۔ اس سلسلے میں چند اہم واقعات کا ذکر علی میاں نے اپنی کتاب سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ میں کیا ہے جو نذرِ قارئین ہیں:

(۱) ’’راولپنڈی میں ایک مرتبہ قریشی صاحب کی کوٹھی پر چمن میں عصر کے بعد بڑی وسیع مجلس تھی۔ بعض اعلیٰ عہدے دار، ممتاز علماء اور عمائدِ شہر جمع تھے۔ پروفیسر عبدالمغنی صاحب جے پوری نے (غالباً اس خیال سے کہ حضرت کچھ ارشاد فرمائیں اور لوگ مستفید ہوں) سوال کیا کہ حضرت صبر کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت نے بڑی بے تکلفی سے راقم کی طرف اشارہ کیا کہ مجھے تو معلوم نہیں، ان سے پوچھو۔ میں نے اپنے نزدیک بڑی کسر نفسی اور تواضع سے کام لیتے ہوئے عرض کیا کہ حضرت مجھے تو اس کے لغوی معنی کے سوا کچھ معلوم نہیں۔ مجلس پر سناٹا چھا گیا۔ حضرت کو اس کا احساس نہیں معلوم ہوتا تھا کہ مجلس کے خواص حضرت کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے۔ جن کو علماء و عمائد کے ایک بڑے گروہ نے اپنا شیخ و مربی تسلیم کر رکھا ہے۔‘‘

(۲) ’’ایک مرتبہ لائل پور کے دورانِ قیام میں اس بارے میں خدام اور احباب کے درمیان بڑی کشاکش تھی کہ حضرت رمضان کہاں کریں۔ لائل پور کے اہل تعلق لائل پور کے لیے کوشاں تھے۔ لاہور کے احباب لاہور کے لیے مُصر تھے اور قریشی صاحب راولپنڈی کے لیے عرض کرتے تھے۔ حضرت نے ایک روز سحور کے وقت تینوں گروہوں کے خاص خاص اشخاص کو بلوایا اور فرمایا: بھائی دیکھو میں ایک غریب کا شتکار کا بیٹا ہوں۔ میرے گھر میں ایسی غربت تھی کہ میں جب طالب علمی میں آیا کرتا تھا تو میری والدہ کو فکر ہوتی تھی کہ گیہوں کی روٹی کا انتظام کس طرح کریں، غبی بھی ہوں اوّل تو کچھ زیادہ پڑھا نہیں، پھر جو کچھ پڑھا تھا وہ بھی بھول گیا۔ اب جو تم مجھ کو کھینچے کھینچے پھرتے ہو اور کوئی ادھر لے جانا چاہتا ہے کوئی ادھر۔ تو یہ محض اس کی برکت ہے کہ کچھ روز اللہ کا نام لیا۔ تم خود اخلاص کے ساتھ چند روز اللہ کا نام کیوں نہیں لیتے کہ خود مطلوب بن جاؤ۔ یہ تقریر کچھ ایسی سادگی اور اثر کے ساتھ فرمائی کہ بعض حضرات کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔‘‘

(۳) ’’لکھنو سے بریلی جاتے ہوئے سفر میں مجھ سے فرمایا کہ آپ لوگ اہل علم ہیں۔ آخر آپ نے مجھے کیوں آگے کر دیا اور کیوں مجھے شرمندہ کرتے ہیں۔‘‘

(۴) ’’ایک مرتبہ آزاد صاحب نے حضرت کو مخاطب کر کے ایک غزل کہی جس کا مقطع تھا

یہ کیا ستم ہے کہ آزاد تیرے ہوتے ہوئے
ہے میکدہ میں بھی اور تشنہ کام ہے ساقی

یہ شعر سن کر فرمایا۔ کہ بھائی میرے پاس تو پانی بھی نہیں۔ شعر تو شیخ الحدیث کو سنانا۔ یہ دراصل حضرت کا حال تھا۔ جس میں کسی تصنع یا مصلحت بینی کا دخل نہیں تھا۔ بداہتہً اور وجدانی طور پر اپنے کو کمال سے عاری سمجھتے تھے اور اہل نظر کے نزدیک یہ مقام ہزار کرامتوں اور ہزار علوم و معارف سے ارفع ہے۔‘‘

(۵) ’’بے نفسی اور فنائیت کا ایک اور واقعہ جو میرے نزدیک سینکڑوں مجاہدات و صدہا کرامات سے بھی بلند اور بیش قیمت ہے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کی طبیعت وقتی تاثرات و جذبات سے کس قدر غیر متاثر واقع ہوئی تھی۔ اور آپ کا مزکی انفس بے نفسی کی اور فنائیت کے کس درجہ پر پہنچ گیا تھا۔ آپ کی طبیعت کس درجہ وضع داری، نباہ

کی قوت اور حق شناسی تھی۔

وفات سے تین چار ماہ قبل کا واقعہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وہ خادم جو ساری عمر خانقاہ کے کھانے وغیرہ کے ذمہ دار تھے اور بوجہ اپنی علالت کے، ان کی بیوی نے اپنے لڑکے کے ذریعے معذوری ظاہر کر دی جس پر حضرت کے کچھ فرمائے بغیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے اپنے گھر میں کھانے کا انتظام کیا۔ حضرت نے بالکل سکوت فرمایا۔ اس کے بعد منتظمین نے ان کے خلاف بہت شکایات کیں۔ کھانا اچھا نہیں ہوتا تھا۔ روٹی کچی ہوتی تھی۔ کبھی نمک غائب، مہمانوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ غرض کہ اس طرح کی بہت سی باتیں انھوں نے کیں کہ بہت اچھا ہوا انھوں نے استعفیٰ دے دیا۔ حضرت سے انھوں نے کہا کہ یہ منجانب اللہ ہوا ہے۔ ہم چاہتے بھی یہی تھے۔ لیکن ان سب کے کان بھرنے کے باوجود حضرت نے سکوت اختیار کیا۔ کبھی ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ صرف ایک مرتبہ ان شکایات کے جواب میں ایک عام بات فرمائی، کہ بھائی اصل میں ایک کام جب بہت دن تک کیا جاتا ہے تو اس میں اتنا اہتمام نہیں رہتا اور ایسی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔

بہر حال دوسرے ان حضرات نے ان کو دوسری کوٹھی سے بلوایا۔ مگر وہ آئے نہیں۔ کئی گھنٹے کے بعد پھر بلوایا پھر بھی نہیں تشریف لائے۔ ظہر کے بعد پھر وہ شکایات کا سلسلہ جاری ہوا۔ اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً آدمی بھیجا۔ اب کی وہ تھوڑی دیر کے بعد آ گئے۔ کمرہ خالی کرایا گیا۔ چارپائی کی پشت پر حضرت کے بھائی مولانا عبدالوحید تشریف رکھتے تھے۔ حضرت استغراق میں تھے۔ جب وہ آئے تو حضرت نے فرمایا: کون ہے؟ انھوں نے کہا ظفر الدین۔ فرمایا: آ گئے؟۔ تمہارا کیا حال ہے۔ انھوں نے اپنا حال بتلایا اور ڈاکٹر کے دکھانے کا ذکر کیا۔

حضرت نے فرمایا مجھے تمہاری بیماری کی بڑی فکر ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہیں صحت عطا فرمائے۔ میں بہت معذور ہوں، چل نہیں سکتا۔ ورنہ دن میں کئی مرتبہ تمہاری خدمت میں آتا۔ اگر تکلیف کی وجہ سے نہیں آ سکتے ہو تو اپنے لڑکے بشیر احمد کے ذریعے اپنی خیریت کہلوا دیا کرو۔ دوا بھی تو تم نے خریدی ہوگی؟ جب ڈاکٹر کے پاس گئے تو کچھ پیسے تو لے جاتے۔ انھوں نے جواب دیا کہ حضرت دس روپے لے گیا تھا اور دوا اتنے میں ہی آئی۔ اس کے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میری واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالو (اس میں اُس وقت ۴۰۳ روپے تھے) اور فرمایا یہ رکھ لو۔ دوائی وغیرہ میں کام آئیں گے۔ اس کے بعد فرمایا دوسری جیب میں بھی تو دیکھو اس میں بہت بڑی رقم تھی۔ فرمایا: یہ بھی رکھ لو۔ انھوں نے کچھ تکلف کیا۔ حضرت نے فرمایا اور بھی بہت سے خرچ ہیں اس کو رکھ لو اللہ کا شکر کرو۔ یہ محض میرے مالک کا فضل ہے۔ جب وہ رقم لے کر واپس جانے لگے تو حضرت نے پھر آواز دی اور ارشاد فرمایا تم نے ہمارا کھانا پکانا کیوں چھوڑ دیا ہے؟ تین چار مہینے کی بات تھی۔ میں تو چاہتا تھا کہ تمہارے ہی ہاتھ سے کھاتے۔ انھوں نے اپنی اور اپنی اہلیہ کی بیماری کا ذکر کیا۔ حضرت نے فرمایا تمہاری تین بچیاں ہیں۔ انھوں نے عرض کیا وہ چھوٹی بچیاں ہیں۔ حضرت نے فرمایا ہم تو چاہتے ہیں کہ تمہارے ہی ہاں کھائیں، چاہے جیسا بھی ہو کچا ہو یا پکا ہو، بے

نمک ہو جس طرح کا بھی ہو، اگر تم اور تمہارے گھر والے نہ کر سکیں تو ایک ملازمہ رکھ لو، خرچہ ان شاء اللہ میں دے دوں گا۔ اس کو مجھ سے لے لیا کرو کسی کو خبر نہ لیکن پکے تمہاری ہی نگرانی میں۔ انھوں نے کہا کہ کام کرنے والی کوئی عورت اچھی نہیں ملتی۔ حضرت نے فرمایا تمہیں اچھی نہیں ملتی تو بھائی فضل الرحمٰن سے ہی کہتا ہوں، وہ انتظام کر دیں گے۔ انھوں نے کہا کہ سوچ کر بتا دوں گا۔ اسی درمیان یہ بھی فرمایا: تمہارے پاس چاول کی بوریاں بھی تو آئی تھیں۔ ان میں سے ایک بوری چاول علی میاں کے لیے ہمیں چاہیے۔ اس کے بعد وہ چلے گئے اس کے بعد حضرت نے کچھ نہیں کہا۔

دوسرے تیسرے روز بہت بڑی تعداد میں ہدایا و تحائف اور رقمیں آئیں۔ حضرت کی جیبیں تو روپے سے بھر ہی چکی تھیں پوری چارپائی بھی نوٹوں سے اٹ گئی۔ اپنے بڑے رومال میں ان سب روپوں کو اکٹھا کر کے باندھ لیا۔ اس کے بعد حاجی ظفر الدین صاحب کو بلوایا اور ان سے فرمایا کہ ان کو خوب مضبوطی اور کس کے باندھ لو تا کہ زیادہ بڑی نہ معلوم ہو اور لے جاؤ۔ کھانے کے سلسلے میں کوئی بات نہیں فرمائی۔“ (صفحہ ۲۴۷ تا ۲۵۱، روایت: مولانا عبدالوحید)

(جاری ہے)

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
7 جون 2009ء
اتوار بعد نماز مغرب
دفتر احرار 69/C
وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی پہلی اتوار کو بعد نمازِ مغرب مجلس ذکر و اصلاحی بیان ہوتا ہے
تحریک تحفظ ختم نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلس احرار اسلام لاہور فون: 042-5865465